مطالعۂ سیرت کی وسعت، برعظیم پاک و ہند میں

سید عزیز الرحمٰن

یہ مضمون راقم کی ایک گفتگو پر مشتمل ہے، جو آج سے دو سال قبل ریجنل دعوہ سینٹر۔کراچی میں اساتذہ کے ایک اجتماع میں کی گئی تھی، جسے معمولی رد و بدل، حوالہ جات اور چند مباحث کے اضافے کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے، جنہیں دوران گفتگو قلت وقت کے باعث ترک کردیا گیا تھا۔س،ع،ر

سیرتِ طیبہ کے موضوع کو ذاتِ رسالت مآب ﷺ سے نسبت کے طفیل جو اہمیت، مقام، قدر و منزلت اور قبولیت حاصل ہے، وہ یقیناً محتاجِ بیان نہیں۔ اگر ہم اپنے مذہبی لٹریچر کا جائزہ لیں جو کسی بھی زبان میں مسلمانوں نے اب تک پیش کیا ہے، تو اس کا ایک بہت بڑا حصہ ان مباحث، موضوعات اور عنوانات پر مشتمل ہوگا، جو نبی کریم ﷺ کی ذات و صفات سے تعلق رکھتے ہیں۔ دنیا بھر کے علوم وفنون میں فنِ سیرت کو یہ ایک عجیب امتیاز اور اس اعتبار سے فوقیت حاصل ہے۔

آج کی نشست میں ہم مطالعۂ سیرت کی وسعتوں کے حوالے سے چند پہلوؤں کا جائزہ لیں گے، لیکن اصل موضوع پر گفتگو سے قبل ضروری معلوم ہوتا ہے کہ لفظ سیرت کے معانی و مفاہیم کو متعین کرلیا جائے، تاکہ پھر اس کی روشنی میں دیکھا جاسکے کہ عہدِ حاضر میں اس موضوع نے کیا کیا وسعتیں اختیار کی ہیں؟

لفظ ''سیرت'' اور اس کے اطلاقات

لفظ سیرت سـار یسیـر سے مشتق ہے، جو باب ضرب یضرب سے آتا ہے، اس کے معنیٰ چلنے پھرنے، چال چلن، کردار، سنت، طریقے، روش، شکل وصورت، ہیئت وغیرہ کے آتے ہیں (۱)

آغاز میں اس سے مراد غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات سے متعلقہ اُمور پر ہوتا تھا، جیسا کہ فقہائے کرام کے ہاں اس کا مفہوم یہی ہے چنانچہ امام ابن ہمام لکھتے ہیں:

السیر جمع السیرۃ، وھی الطریقۃ فی الامور، وفی الشرع تختص بسیر النبی علیہ الصلاۃ والسلام فی مغازیہ ولکن غلب فی لسان اصل

الشرع علی الطرائق المأمور بھا فی غزوۃ الکفار (۲)

سیر لفظ السیرۃ کی جمع ہے، وہ طریقے کو کہتے ہیں، اور شریعت میں یہ لفظ نبی کریم ﷺ کے غزوات کے احوال کے ساتھ خاص ہے، لیکن علمائے شریعت کے نزدیک اس کا اطلاق اُن طریقوں پر ہوتا ہے، جن کا حکم کفار سے جنگ کی صورت میں دیا گیا ہے۔

فنِ سیرت کا آغاز اسلام میں مغازی سے ہوا، ابتدا میں مغازی سے مراد غزوات و سرایا سے متعلق تفاصیل ہوتی تھیں، علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

واصل الغزو القصد، ومغزی الکلام مقصدہ، والمراد بالمغازی ھنا ما وقع من قصد النبی صلی اللہ علیہ وسلم الکفار بنفسہ اوبجیش من قبلہ (۳)

غزو کے اصل معنیٰ قصد و ارادے کے ہیں اور یہاں مغازی سے مراد نبیٔ اکرم ﷺ کے بہ نفسِ نفیس یا اپنے لشکر کے ذریعے کفار کا قصد کرنا ہے۔

لیکن بعد میں اس میں وسعت پیدا ہوگئی، اور مغازی کے عنوان کے تحت لکھی جانے والی کتب میں سیرتِ طیبہ کا بڑا حصہ بیان ہونے لگا۔ چنانچہ مغازی کی مشہور کتب اسی قبیل سے تعلق رکھتی ہیں، اور مغازی عروہ بن زبیر، مغازی ابان بن عثمان، مغازی ابن شہاب زہری، موسیٰ بن عقبہ، ابن اسحاق اور واقدی وغیرہ میں سے جو کتب دستیاب ہیں، یا جو کتب دستیاب تو نہیں ہیں، لیکن ان کے حوالے قدیم کتب میں ملتے ہیں، ان سے یہی علم ہوتا ہے کہ ان تمام کتب میں محض غزوات و سرایا کا بیان نہیں ہے، بلکہ سیرتِ رسول ﷺ اور حیاتِ طیبہ کا بہت سا حصہ بیان ہوا ہے۔

اس تفصیل سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں:

۱۔ سیر سے مراد فقہا کے ہاں غیر مسلموں سے تعلقات کے مسائل ہیں، کتاب السیر اور سیرِ کبیر وغیرہ ناموں سے جو بہت سی کتب متداول ہیں، وہ انہی مباحث پر مشتمل ہیں۔ ان میں امام محمد رحمہ اللہ کی السیر الکبیر زیادہ معروف ہے۔

۲۔ سیرتِ طیبہ پر لکھنے کا آغاز مغازی سے ہوا، اور یہی کتب سیرت کی بنیادی کتب ہیں۔

سیرت پر سیرت کے عنوان سے سب سے پہلے جو کتاب سامنے آئی، وہ معلوم تاریخ کے مطابق ابن ہشام (م ۲۱۳ھ) کی السیرۃ النبویہ ہے، جسے اس نے خود ھذا کتاب سیرۃ رسول اللہ ﷺ لکھ کر

متعارف کرایا ہے۔(۴)

لفظ سیرت آغاز میں ہر ایک کے لئے استعمال ہوتا رہا ہے، چنانچہ عوانہ بن حکیم کلبی (م ۱۴۷ھ) کی کتاب سیرۃ معاویہ و بنی اُمیہ، اور واقدی (م ۲۰۷ھ) کی کتاب **سیرۃ ابی بکر و وفاتہ** اسی قبیل سے تعلق رکھتی ہیں۔ بعد میں بھی لفظ سیرت کا یہ عمومی اس کا استعمال جاری رہا، چنانچہ اُردو میں بھی اس کی روایت نظر آتی ہے، علامہ شبلی کی سیرت النعمان اور سید سلیمان ندوی کی سیرتِ عائشہ معروف کتب ہیں، البتہ اب ہمارے عرف اور عام محاورے میں مطلقاً جب لفظ سیرت کا استعمال ہوتا ہے، تو اس سے مراد سیرتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام ہی ہوتی ہے۔ اس موضوع پر خلاصۂ کلام کے طور پر ڈاکٹر سید عبداللہ کا یہ جملہ پیش کرتا ہوں، اُنہوں نے فنِ سیرت کی نہایت جامع تعریف کی ہے، اُن کے الفاظ ہیں:

> سیرت کا مفہوم طریقے و مذہب، سنت، ہیئت، حالت اور کردار تک محدود نہیں، بلکہ اس سے مراد داخلی شخصیت، اہم کارنامے اور اکابر کے حالاتِ زندگی بھی ہیں۔(۵)

یہاں اگرچہ ڈاکٹر صاحب نے سیرت کے مطلق مفہوم کا ذکر کیا ہے، لیکن دوسرے مقام پر وہ اس مؤقف کو کہ سیرت سے مراد صرف نبیٔ اکرم ﷺ کی سیرتِ مبارکہ ہے، بالکل واضح اسلوب میں بیان کرتے ہیں:

> تمام اشخاص کی بایوگرافی (سوانح) کو سیرت کہنا زیادتی ہے، کیونکہ سیرت کے لفظ کو اُصولی طور پر آنحضرت ﷺ کے حالات ہی سے مخصوص سمجھنا چاہئے۔(۶)

اسی مفہوم کے حوالے سے ایک بات اور بھی ہے، خود قرآنِ حکیم اور احادیثِ نبویہ میں بھی یہ لفظ اسی مفہوم میں استعمال ہوا ہے، چنانچہ قرآنِ حکیم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِيْدُ هَاسِيْرَتَهَا الْأُوْلٰى O (۷)

اسے پکڑلو، اور خوف نہ کرو، اسے ہم پھر پہلی والی ہیئت پر لے آئیں گے۔

یہاں پر دیکھئے سیرت سے مراد ہیئت، شکل وغیرہ ہے۔

حدیث میں اس سے بھی واضح استعمال ملتا ہے، ایک روایت میں ہے:

قام علی رضی اللّٰہ عنہ علی المنبر، فذکر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقال، قبض رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم و استخلف ابوبکر رضی اللّٰہ عنہ فعمل بعملہ وسار بسیرتہ، حتیٰ قبضہ اللّٰہ عزوجل علیٰ

ذالک، ثم استخلف عمر رضی اللّٰہ عنہ علیٰ ذالک فعمل بعملھا وساریسرتھا حتی قبضہ اللّٰہ عزوجل علیٰ ذالک، (۸)

حضرت علی رضی اللہ عنہ منبر پر کھڑے ہوئے اور اُنہوں نے رسول اللہ ﷺ کا ذکر کیا اور فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ انتقال فرما گئے، اور ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے تو اُنہوں نے آپ کی ہی طرح اپنے فرائض انجام دیئے، اور وہ آپ ﷺ کی سیرت پر چلے، حتیٰ کہ اللہ نے اُن کی روح کو بھی قبض کرلیا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے، اُنہوں نے بھی اپنے دونوں پیش رووں کے طریقے پر عمل کیا، اور اُن کی سیرت پر چلے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی روح کو بھی قبض کرلیا۔

دیکھئے یہاں بسیرتہ اور سیرتھا دونوں الفاظ خاص وہی مفہوم دے رہے ہیں، جس مفہوم میں آج لفظ سیرت مستعمل ہے۔

ایک بات مغازی کے حوالے سے اور پیش کردوں۔ مغازی کے حوالے سے ابتدائی کتب کے مؤلفین میں عروہ بن زبیرؒ (م۹۴ھ)، ابان بن عثمان بن عفان (م۱۰۵ھ)، عاصم بن عمر بن قتادہ (م۱۲۰ھ)، شرحبیل بن سعد مدنی (م۱۲۳ھ) ابن شہاب زہری (م۱۲۴ھ) اور عبداللہ بن ابی بکر بن حزم (۱۳۵ھ) کے نام ملتے ہیں۔ ان کے بعد آنے والوں میں تین نام بڑے نمایاں ہیں اور ان تینوں نے جو کتب مغازی کے عنوان سے تحریر فرمائیں، اُن کا زمانۂ تحریر بھی تقریباً ایک ہی ہے، یہ تین نام ہیں: موسیٰ بن عقبہ (م۱۴۱ھ)، محمد بن اسحاق (م۱۵۱ھ) اور ابومعشر نجیح بن عبدالرحمٰن سندی (م۱۷۰ھ)۔

ان میں ابومعشر زیادہ قابلِ غور ہیں، ایک تو وہ سندھ سے تعلق رکھتے ہیں، غالباً مولانا قاضی اطہر مبارک پوریؒ نے پہلی بار ان کے حالات کسی قدر تفصیل سے بیان کئے ہیں (۹) دوسرے ان کی کتاب کا زمانۂ تحریر موسیٰ بن عقبہ سے زیادہ بعید نہیں ہے لیکن وہ شاگرد موسیٰ بن عقبہ کے ہی تھے، اور موسیٰ بن عقبہ کو محدثین بھی تسلیم کرتے ہیں، حالانکہ وہ عام طور پر مغازی نگاروں کو اپنے معیار کا قرار نہیں دیتے، چنانچہ امام مالک محمد بن اسحاق کے سخت ناقد ہیں۔ لیکن وہ موسیٰ بن عقبہ کے بارے میں اچھی رائے رکھتے ہیں، اسی طرح محمد بن طلحہ بن طویل کا قول ہے

لم یکن بالمدینۃ اعلم بالمغازی عنہ (۱۰)

مدینے میں موسیٰ بن عقبہ سے بڑا مغازی کا کوئی عالم نہیں تھا۔

اسی طرح امام احمد بن حنبل ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

کان بصیرا بالمغازی (۱۱)

آپ مغازی میں گہری بصیرت رکھتے تھے۔

اسی طرح خطیب بغدادی ابومعشر سندھی کے متعلق لکھتے ہیں:

ابومعشر سندی کان اعلم الناس بالمغازی (۱۲)

ابومعشر سندی کا ایک اور تعارف یہ بھی ہے کہ وہ واقدی جیسے مشہور غزوات نگار کے اُستاد ہیں۔

سیرت نگاری کے حوالے سے یہ بات بھی اہم ہے کہ اسلام کے دورِ اول میں جبکہ مسلمانوں میں قرآنِ حکیم اور اس سے متعلقہ علوم وفنون نیز احادیثِ نبویہ کے حوالے سے شغف اور دلچسپی بڑھ رہی تھی، اور جابجا ان کے حلقے قائم تھے، خلفائے راشدین بذاتِ خود ان حلقوں کو قائم اور اُن کی سرپرستی فرماتے تھے، اور ان علوم کے ماہرین کی بڑی تعداد صحابۂ کرام میں موجود تھی، اسی دور میں مغازی کے زیرِ عنوان سیرتِ طیبہ پڑھنے اور پڑھانے کا رجحان بھی موجود تھا، اور یہ رجحان مسلسل قوی ہورہا تھا، جس کا ایک سبب ذاتِ رسالت مآب ﷺ سے مسلمانوں کے تعلقِ خاص کے علاوہ یہ بھی تھا کہ اسلام سے قبل بھی اہل عرب کے ہاں خاندانی وقبائلی فخر ومباہات کے اظہار کا خاص اہتمام تھا، اور چونکہ ان کے ہاں نوشت وخواند کا رواج بہت کم تھا، اس لئے وہ ان اُمور کے لئے اپنے خداداد بے مثال حافظے سے فائدہ اُٹھاتے تھے اور اس مقصد کے لئے خاص مجالس آراستہ کرتے تھے۔ (۱۳)

خیال کیا جاسکتا ہے کہ عربوں کی یہی روایت اسلام کی آمد کے بعد غزوات وغیرہ کے بیان کی صورت اختیار کرگئی۔ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ تفسیر وفقہ کے بڑے اور جیدترین امام ہیں، آپؓ نے اپنی مجالس کے لئے مختلف ایام کے لئے مختلف موضوعات مقرر فرمائے تھے۔ عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ کا بیان ہے:

ولقد کان یجلس یوما لا یذکر الا الفقه، ویوما التاویل، ویوماً المغازی، ویوماً الشعر، ویوما ایام العرب (۱۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اپنے حلقۂ درس میں ایک دن فقہ، ایک دن تفسیر، ایک روز مغازی، ایک دن شعروادب اور ایک دن ایامِ عرب کا بیان فرماتے تھے۔

اس سلسلے میں اہم بات یہ ہے کہ مغازی وغیرہ کے بیان سے صحابۂ کرام کا مقصد سننے والوں کو شوق

دلانا اور انہیں ثابت قدمی، شجاعت اور جواں مردی کی تلقین ہوتا تھا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص کے صاحب زادے محمد بن سعد بیان کرتے ہیں:

کان ابی یعلمنا المغازی والسرایا ویقول، یا بنی انھا لشرف آبائکم فلا تضحوا ذکرھا(۱۵)

ہمارے والد ہمیں غزوات وسرایا کی تعلیم دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ اے میرے بیٹو! یہ تمہارے آبا کا شرف وافتخار ہیں، سوتم انہیں ہرگز ضائع نہ کرنا (بلکہ انہیں یاد رکھنا)۔

غزوات وسرایا سے مسلمانوں کی اس دلچسپی کا اثر تھا کہ خواتین میں بھی یہ موضوع پسند کیا جاتا تھا، اور وہ بھی اس سلسلے میں خاصے ذوق وشوق کا مظاہرہ کرتی تھیں۔ اُم سعد جمیلہ بنتِ سعد بن ربیع انخ ء والدہ عمرہ بنتِ حزم بن زید کا واقعہ یوں بیان کرتی ہیں:

انا یوم الخندق ابنة سنتین و کانت امی تُخبِرُنی بعد ان ادرکت عن امرھم فی الخندق (۱۶)

میں غزوۂ خندق کے روز دو سال کی تھی، اور میری والدہ میرے ہوش سنبھالنے کے بعد مسلمانوں کے غزوۂ خندق کے حوالے سے واقعات مجھے سناتی تھیں۔

اس سلسلے کے اور بھی بہت سے واقعات ملتے ہیں، اوران واقعات کو مولانا قاضی اطہر مبارک پوری نے تفصیل سے تحریر کیا ہے۔ (۱۷) اسلامی حکومت خصوصاً خلفائے راشدین اور اُن کے متصل بعد کے حکمرانوں نے بھی مغازی کو خاصی توجہ دی۔ ہشام بن عبدالملک نے اپنے بیٹے کے معلم سلیمان کلبی کو یہ ہدایت جاری کی تھی:

وَبصرہ طرفاً من الحلال والحرام والخطب و المغازی (۱۸)

اسے حلال وحرام، خطبات اور مغازی کے بارے میں صاحبِ نظر بناؤ۔

مغازی کا یہ درس دینے والے صحابہؓ وتابعین پھر بڑے جوش اور جذبے سے یہ درس دیا کرتے تھے، اور اس دوران اُن پر ایک خاص کیفیت طاری ہوتی تھی۔ سفیان بن علینیہ کہتے ہیں:

کان عکرمة اذا تکلم فی المغازی فسمعه انسان قال کأنه مُشرِفٌ علیھم یراھم (۱۹)

حضرت عکرمہؒ جب غزوات کا بیان کرتے تھے تو سننے والا شخص یہ کہتا تھا کہ گویا وہ خود مجاہدین

کو جہاد میں مصروف دیکھ رہا ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ مغازی کے زیرِ عنوان مطالعۂ سیرت، صحابۂ کرامؓ اور تابعین کے عہد میں ہی مسلمانوں کی زندگی کا حصہ بن چکا تھا، جسے بعد میں مزید وسعت حاصل ہوئی، اور پہلے سیرت کے جامع انداز میں بیانات تحریری شکل میں آنا شروع ہوئے، اور بعد میں سیرت نگاری مزید وسعتیں اختیار کرتی چلی گئی۔

علم سیرت اور واقدی

علم سیرت پر گفتگو کرتے ہوئے جس شخصیت کا حوالہ ناگزیر سمجھا جاتا ہے، وہ علامہ محمد بن عمر واقدی کی ہے۔ واقدی پر گفتگو کرتے ہوئے خصوصاً عہد حاضر میں بسا اوقات نہایت غیر ذمے داری کا ثبوت دیا جاتا ہے، اور واقدی پر قرون اولیٰ کے بعض بزرگوں کی جانب سے کی جانے والی جرح کو اس کے سیاق و سباق سے کاٹ کر پیش کیا جاتا ہے، اور یہ تاثر دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ واقدی کی روایاتِ سیرت از اول تا آخر نا قابل التفات اور مکمل طور پر قابل ترک ہیں۔ یہ تاثر اور واقدی کی شخصیت اور کام کے ساتھ یہ رویہ ناانصافی بھی ہے اور فن سیرت سے ناواقفیت کی دلیل بھی۔ اس موضوع پر شاید سب سے بہتر اور معتدل رائے معروف محقق اور اہل علم ڈاکٹر محمود احمد غازی کی ہے۔ فرماتے ہیں:

> واقدی نے جو بڑا اور اصل کام کیا ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے غزوات نبوی کے مقامات کو خود جا کر دیکھا، خود جا کر ان غزوات کے مقامات کا نقشہ بنایا۔ اس کام کو آج تک کسی نے مشکوک قرار نہیں دیا۔ یہ کام آج تک مستند مانا جاتا ہے۔ لیکن تفصیلات میں جزوی طور پر اختلاف رائے رہا ہے اور آئندہ بھی رہے گا۔ میں ذاتی طور پر نہ تو واقدی کے سارے کام کو بے اعتبار قرار دے کر دریا برد کرنے کے حق میں ہوں اور نہ ہی واقدی کے سارے کام کے درجہ استناد کو امام بخاری کے کام کے برابر سمجھتا ہوں۔ امام بخاری اور ان جیسے دوسرے اکابر محدثین کا کام استناد کے اعتبار سے ظاہر ہے کہ سب سے زیادہ اونچا ہے۔ کوئی بھی بیان اگر اس کے مقابلے میں آتا ہے اور بخاری اور مستند محدثین کی روایات سے متعارض ہے تو اس پر بار بار غور کرنا پڑے گا۔ اس لئے واقدی اور دوسرے سیرت نگاروں کے بارے میں توازن سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ نہ کلی طور پر رد کرنا مناسب ہے اور نہ ہی کلی طور پر اس کو سو فیصد مستند سمجھنا درست ہے۔ (۲۰)

حقیقت یہ ہے کہ جہاں واقدی پر کبار محدثین نے جرح کی ہے وہیں بہت سے محدثین نے واقدی کو ثقہ بھی کہا ہے، اور ان سے روایت بھی کی ہے، علامہ عینیؒ بجا طور پر فرماتے ہیں:

مـالـلواقدی، وقدروی عنه الشافعی، وأبوبکر بن أبی شیبة، وأبوعبید، وأبـوخیثـمة: وعـن مـصعب الزبیری: ثقة مامون، وکذاقال المسیبی. وقـال أبـوعبیـد: ثـقة، وعـن الـدراوردی: الواقدی أمیر المؤمنین فی الحدیث (۲۱)

واقدی کو کیا ہے، جبکہ امام شافعی، ابوبکر بن ابی شیبہ، ابوعبید اور ابوخیثمہ جیسے لوگ ان سے روایت کرتے ہیں، مصعب زبیری سے ان کے متعلق ثـقة مـامون کے الفاظ منقول ہیں، مسیبی نے بھی ان کے متعلق یہی الفاظ کہے، ابوعبید نے انہیں ثـقة کہا اور دراوردی سے منقول ہے کہ واقدی امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں۔

اور علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے بھی درست فرمایا ہے:

ومع هذا فلا یستغنی عنه فی المغازی وأیام الصحابة وأخبارهم (۲۲)

ضعیف ہونے کے باوجود مغازی، عہد صحابہ اور ان کے واقعات میں واقدی سے بے نیازی نہیں برتی جاسکتی۔

اور انہوں نے واقدی کے تذکرے کے اختتام پر مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

مـع أن وزنـه عـندی أنه مع ضعفه، یکتب حدیثه، ویروی لأنی لا أتهمه بالوضع (۲۳)

اس کے ساتھ ساتھ میرے نزدیک ضعیف ہونے کے باوجود واقدی کا رتبہ یہ ہے کہ ان کی حدیث لکھی اور اس کی روایت کی جاسکتی ہے، اس لئے کہ میں اس پر حدیث وضع کرنے کی تہمت نہیں لگاتا۔

مطالعۂ سیرت اور برعظیم پاک وہند

یہ موضوعِ گفتگو نہایت وسعتوں کا حامل ہے، ہم اسے مختصر کرتے ہوئے اردو سیرت نگاری تک محدود رکھیں گے، اور اس میں صرف پاک وہند کے خطے کو موضوعِ بحث بنائیں گے۔

سیرت نگاری کا ہمارے ہاں آغاز میلادناموں سے ہوا۔ میلادناموں کا اسلوب بھی مختلف تھا، اور

ان کے موضوعات بھی محدود تھے، ان میں زیادہ تر ولادتِ نبوی اور اس سے متعلقہ بیانات پر زیادہ زور ہوتا تھا، جن میں سے بہت سے واقعات قطعاً بے اصل تھے، جبکہ بعض واقعات اگر ثابت بھی ہیں تو نہایت ضعیف درجے میں۔ پھر معراج، شق القمر وغیرہ جیسے معجزات یا شمائل کے مخصوص پہلو جن میں آپ ﷺ کی ظاہری وجاہت کا بیان ہوتا تھا۔ ان میلادناموں کی خصوصیت یہ تھی کہ ان میں عقیدت تو تھی، مگر ضعیف و موضوع روایات کا ایک طومار تھا، جس کے زور و شور میں اصل سیرتِ طیبہ ﷺ چھپ کر رہ گئی تھی۔ ان میلادناموں کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ ان کا بہت سا حصہ منظوم بھی ہوتا تھا۔

اس سلسلے کی جو سب سے پہلی مکمل کتاب قرار دی جاسکتی ہے وہ محمد باقر آگاہ (۱۱۵۸ھ۔۱۷۴۵ء/ ۱۲۲۰ھ۔۱۸۰۵ء) کی ''ریاض السیر'' ہے جو ۱۲۱۰ھ یا ۱۷۹۵ء سے قبل لکھی گئی۔ اس میں ولادت سے انتقال فرمانے تک آپ ﷺ کی پوری حیاتِ طیبہ کا بیان ہے، اس کے دو نام نورِ محمدی اور مولود شریف بھی تذکروں میں ملتے ہیں۔ اس کا اسلوب سادہ اور قدیم ہونے کے باوجود خاصا عام فہم ہے، گو کہیں کہیں عربی کا اثر اور اس کا اسلوب عبارت پر بھی غالب نظر آتا ہے۔ زبان و بیان جاننے کے لئے ایک اقتباس پیشِ خدمت ہے:

> مدتِ اقامت حضرت ﷺ کی مدینہ منورہ میں بالاتفاق دس برس ہے، اس دس برس میں غزوات ساتھ قول مشہور کے بائیس ہیں۔ اور روایت ہے زید بن ارقم سے کہ غزا کئے میں نے ہمراہ حضرت کے سترہ بار، اور کہا ابن اسحاق اور ابو معشر اور موسیٰ بن عقبہ نے کہ مشہور یہ ہے کہ آپ ﷺ بائیس غزوات میں تشریف لے گئے۔ اور سرایا پچاس ہوئے۔ مقابلہ نہیں فرمایا آپ ﷺ نے مگر سات میں۔ غزوۂ بدر، غزوۂ اُحد، غزوہ بنی قریظہ، غزوہ بنی مصطلق، غزوۂ خیبر اور غزوۂ طائف۔ (۲۴)

ڈاکٹر انور محمود خالد نے کافی محنت سے اس موضوع پر مواد جمع کیا ہے اور ان کی کتاب اُردو نثر میں سیرتِ رسول ﷺ کے مطالعے سے اس دور اور بعد کی قدیم کتب کے موضوعات اور زبان و اسلوب کے جاننے میں کافی مدد ملتی ہے۔

تقریباً اُسی زمانے کی ایک اور کتاب کا ذکر بھی دل چسپی کا باعث ہوگا، حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے خاندان کے ایک بزرگ اور حضرت شاہ عبدالغنی محدث دہلوی کے بھائی شاہ احمد سعید فاروقی مجددی رحمہ اللہ (م ۱۲۷۷ھ/ ۱۸۶۰ء) نے ایک کتاب سعید البیان فی مولد سید الانس والسبحان کے نام سے تحریر فرمائی تھی۔ کتاب کا اسلوب عام طور پر وہی ہے، جو اس دور کے دوسرے میلادناموں کا تھا، البتہ

اس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ قدیم ترین نثر کا نمونہ ہے، جو آج بھی شائع شدہ ہمارے سامنے موجود ہے، اسے معروف محقق اور سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ کے بزرگ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان رحمہ اللہ نے اپنے مقدمے کے ساتھ کچھ عرصہ پہلے شائع کیا تھا، چند برس اس کا ری پرنٹ سامنے آیا ہے۔ اس سے قبل بھی یہ کتاب کئی بار شائع ہو چکی ہے۔ نیز اس کی زبان میں سلاست زیادہ ہے، بعض مقامات پر تو زبان آج کے اسلوب سے بہت زیادہ قریب محسوس ہوتی ہے۔ ایک مختصر سا اقتباس ملاحظہ کیجئے:

روایت ہے کہ جب والدہ آپ کی فوت ہوئیں، ملائک نے جنابِ باری میں عرض کی کہ نبی تمہارے یتیم رہے، ہم کو حکم ہو پرورش کا۔ ارشاد ہوا میں خود متکفل اُن کا ہوں۔ جب عمر شریف آٹھ برس کو پہنچی، عبدالمطلب نے انتقال کیا، ابو طالب نے بموجب وصیت باپ کے، پرورش کی۔ (۲۵)

جیسا کہ ابتدا میں ذکر کیا گیا، کتاب کا اسلوب عام مولود ناموں سے زیادہ مختلف نہیں۔ مگر اہم بات یہ ہے کہ قرآنی آیات سے استدلال کثرت سے کیا گیا ہے۔ اور ابتدائی چند صفحات میں بیس سے زائد آیات قرآنی درج کی گئی ہیں۔ مثلاً ایک اور اقتباس ملاحظہ کیجئے:

چنانچہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں: لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَاعَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ بتادیا اللہ تعالیٰ نے سب کو کہ ہم نے بھیجا رسول انھیں میں سے کہ جانتے ہیں اس کے مرتبے کو کہ سچا اور امین ہے یا سب سے بہتر اوپر قرأت فتحہ کے۔ اور دو نام اپنے ناموں سے دیئے، ایک رؤف دوسرا رحیم کہ کسی اور کو نہیں دیئے، اور فرمایا: لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْبَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ط وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ اور فرمایا: كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلاً مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَالَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے تفسیر مِنْ اَنْفُسِكُمْ میں منقول ہے کہ حضرت آدم علیٰ نبینا و علیہ السلام سے آبا ہمارے میں نکاح کی سنت جاری ہے اور سفاح نہیں ہوا۔ کہا ابن کلبی نے لکھیں میں نے واسطے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پانچ سو مائیں، نہیں پائے میں نے ان میں رسوم جاہلیت کے۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے تفسیر وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ میں ایک نبی سے دوسرے نبی تک، یہاں تک کہ نکالا تم کو نبی۔ (۲۶)

چھوٹی تقطیع کے تقریباً ۶۶ صفحات پر مشتمل اس مختصر کتاب کا ایک بڑا حصہ اس دور کے عام رواج کے مطابق اشعار پر مشتمل ہے، یہ اشعار زیادہ تر مصنف کے خالہ زاد بھائی شاہ رؤف احمد رافت کے ہیں، اور قدیم اردو کی عمدہ مثال پیش کرتے ہیں ان کے علاوہ کتاب میں عربی اور فارسی کے اشعار بھی موجود ہیں۔

سرسید احمد خاں

سیرت نگاری کا ابتدائی دور جو اٹھارہویں صدی کے وسط سے شروع ہوتا ہے، ہماری دانست میں اس کا اختتام سرسید احمد خان (۱۸۱۷ء/ ۱۸۹۸ء) کی جانب سے خطباتِ احمدیہ کے تحریر کرنے پر ہو جاتا ہے، جس کے انگریزی ترجمے کی اشاعت ۱۸۷۰ء میں ہوئی اور اُردو متن ۱۸۸۷ء میں منظرِ عام پر آیا۔ سرسید اگرچہ اس سے قبل جلاء القلوب بذکر المحبوب کوئی ۱۸۴۲ء کے عرصے میں تحریر کر چکے تھے، اس کی حیثیت بھی میلاد نامے کی تھی، اور اس میں بھی عام مروج ضعیف اور کمزور باتوں کے ساتھ ساتھ صحیح احادیث درج کرنے کا التزام کیا گیا تھا، مگر بعد میں اس کے بہت سے حصوں سے خود سرسید نے برأت کا اظہار کیا۔

لیکن خطباتِ احمدیہ، جس کا پورا نام خطبات الاحمدیہ علی العرب والسیرۃ المحمدیہ تجویز کیا گیا تھا، اصل میں اُردو سیرت نگاری میں ایک اہم موڑ کی حیثیت رکھتی ہے، سرسید کی فکر سے ہزار بار اختلاف کے باوجود یہ بات اپنی جگہ حقیقت ہے کہ سرسید کے خطبات کو نہ صرف اُردو سیرت نگاری بلکہ سیرت نگاری کی پوری تاریخ کا اہم موڑ قرار دیا جائے گا، یہ کتاب دراصل سر ولیم مور کی ضخیم کتاب ''لائف آف محمد'' (چار جلدیں) کا جواب ہے، جو ۱۸۶۱ء میں شائع ہوئی تھی، اور ایک مغربی پادری پی فنڈر کے ایما پر لکھی گئی تھی۔ اس کتاب کا کمزور ترین پہلو یہ ہے کہ سرسید نے معجزات کا انکار کیا ہے، یا دور از کار قسم کی تاویلات کی ہیں۔ اور اس سلسلے میں صحیح احادیث کے انکار سے بھی پس و پیش نہیں کیا۔ یہی سبب ہے کہ اس کتاب کو ہم اپنے ہاں ''اعتذاری ادب'' کا آغاز کرنے والی کتاب بھی کہہ سکتے ہیں۔

لیکن اس حقیقت کو تسلیم کئے بغیر بھی کوئی چارہ نہیں کہ جدید سیرت نگاری کا آغاز سرسید سے ہی ہوا ہے۔ ان کی کتاب کو ان اُمور کے سبب اولیت اور امتیاز کا شرف حاصل ہے۔

الف: سرسید پہلے محقق ہیں، جنہوں نے رسول اللہ ﷺ پر غیر مسلموں کے اعتراضات کا جواب دینے کا آغاز کیا، جیسا کہ عرض کیا گیا کہ ان کی کتاب خطباتِ احمدیہ، ولیم مور کے اعتراضات ہی کے جواب میں لکھی گئی، البتہ اس کا اسلوب مناظرانہ نہیں، مصالحانہ ہے، اور وہ کوشش کرتے ہیں کہ بات

مخاطب کے فہم کے مطابق کی جائے۔

ب: سیرت کے بہت سے بیانات میں ہمیں اختلاف ملتا ہے، تواریخ کا اختلاف، شخصیات کے ناموں کا اختلاف، واقعے کے اسباب کے بارے میں مختلف بیانات، اس حوالے سے بھی سرسید پہلے فرد نظر آتے ہیں جنہوں نے ان اختلافی روایات کے مابین تطبیق یا ترجیح دینے کا آغاز کیا اور اس قسم کے مباحث کہ اختلاف کیوں ہوا؟ اختلافی روایات کے اسباب کیا ہیں؟ وغیرہ اُمور کو اپنے مطالعۂ سیرت میں شامل کیا۔

ج: آنحضرت ﷺ کے متعلق بشارات کتب سماریہ میں ملتی ہیں، اس موضوع پر اب تو بہت سی کتب بھی ملتی ہیں، لیکن ہماری معلومات کے مطابق سرسید نے پہلی بار اُردو میں ان مباحث پر لکھا، اور مذاہب عالم کی کتب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارات کو سیرت لٹریچر کا حصہ بنایا۔

د: آج اُردو کی تقریباً ہر کتاب میں قبل از اسلام عربوں اور دنیا بھر کی مذہبی، سیاسی، معاشی و معاشرتی واخلاقی حالت کا بیان ملتا ہے، مطالعۂ سیرت میں یہ وسعت سرسید کی کتاب سے ہی آئی ہے، ان سے قبل اس موضوع کو اس قدر تفصیلی انداز میں لکھنے کا رجحان نہیں ملتا۔

ھ: بائبل سے استشہاد اور اس کے بیانات کا قرآن وحدیث سے تقابل بھی سرسید کے ہاں پہلی بار ملتا ہے۔

و: اس کے ساتھ ساتھ درایت کے پہلو کو مطالعۂ سیرت کا حصہ بنانے کا کام بھی جس بھرپور انداز میں سرسید نے انجام دیا وہ اس سے قبل نظر نہیں آتا۔ اس سے قطعِ نظر کہ ان کے اخذ کردہ نتائج سے اتفاق ہمارے لئے کس حد تک ممکن ہے، انہوں نے جو رجحان مطالعۂ سیرت میں قائم کیا، اس سے پھر بعد میں آنے والے سیرت نگاروں نے فائدہ اُٹھایا، اور سرسید کی قائم کردہ روایت کو آگے بڑھایا۔ یہ بھی سرسید کی سیرت نگاری کا امتیازی پہلو ہے۔

بہرکیف خطباتِ احمدیہ سے اُردو سیرت نگاری میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا، جو علامہ شبلی، سید سلیمان ندوی اور سلمان منصور پوری کے ذریعے اپنے عروج تک پہنچ گیا۔

سید امیر علی

سرسید کے عہد کی ایک اور شخصیت ہمارے مطالعے کا محور ہے، وہ ہیں جسٹس سرسید امیر علی۔ یہ بنگال کے رہنے والے تھے، عربی فارسی سے خوب واقف تھے۔ وکیل تھے اور کلکتہ ہائی کورٹ کے پہلے مسلمان جج

اور پریوی کونسل کے بھی پہلے مسلم جج تھے، جو سلطنت برطانیہ کی سب سے بڑی عدالت تھی۔ انہوں نے بھی سر ولیم میور کی کتاب لائف آف محمد (Life of Muhammad) اور اس میں موجود غلط بیانوں کے رد عمل میں ایک کتاب لکھی، جس کا نام ابتدا میں یہ تھا۔

A critical appraisal of the life and achievments of Muhammad.

اس کتاب کے ایک حصے میں سیرت طیبہ کا بیان تھا اور دوسرے حصے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کارنامے بیان کئے گئے تھے۔ سید امیر علی چوں کہ انگریزی زبان وادب کے ادیب تھے، اس لئے ان کا اسلوب جاندار ہے اور ان کا طرزِ استدلال بھی خالص مغربی انداز کا ہے، جس کے سبب ان کی کتاب کی افادیت بہت ہے، پھر انگریزی زبان اور انگلش مزاج سے مکمل واقفیت کے سبب ان کے ہاں مرعوبیت کا وہ ماحول نظر نہیں آتا، جو سرسید کے یہاں ہے۔ یہ کتاب پہلی بار ۱۸۷۳ء میں شائع ہوئی، بعد میں سید امیر علی نے اس میں کافی اضافے اور ترامیم کیں، ان کی حیات میں اس کتاب کا آخری ایڈیشن ۱۹۰۹ء میں شائع ہوا۔ اس وقت کتاب کا نام انہوں نے تبدیل کر کے روح اسلام (Spirit of Islm) رکھا، اور اب یہ کتاب اسی نام سے مشہور اور موجود ہے۔

اس کتاب کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ سرسید کے خطبات احمدیہ کے برعکس یہ کتاب ردعمل میں لکھی ہوئی معلوم نہیں ہوتی، بلکہ مستشرقین کے الزامات سے تعرض کئے بغیر سیرت طیبہ اور اسلامی تمدن کا ایک واضح اور خوش نما خاکہ پیش کر دیا گیا ہے، اور یوں اسلام کا موقوف مثبت انداز میں غیر مسلموں کے سامنے آ گیا ہے۔ اس کتاب کی یہ بھی اہمیت ہے کہ برعظیم پاک و ہند میں مغربی خیالات، افکار اور انداز فکر کو سامنے رکھ کر دعوتی اسلوب میں انہیں اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ الصلاۃ والسلام سے متعارف کرانے کی یہ اولین کاوش ہے۔

البتہ سید امیر علی بھی مسلمانوں کے اس طبقے سے تعلق رکھتے تھے جو انگریزی تعلیم یافتہ اور بعض حوالے سے جدت پسند تھا، اس بنا پر ان کی تمام آرا سے اتفاق مشکل ہے۔ چناں چہ اس حوالے سے جناب ڈاکٹر محمود احمد غازی کی یہ رائے بھی قابل غور ہے:

> یہ کتاب آج سے سو، سوا سو سال پہلے کے ماحول میں لکھی گئی تھی۔ بلکہ سوا سو سال سے بھی زیادہ ۱۸۷۳ء میں یہ پہلی بار چھپی تھی، اس زمانے کے لحاظ سے جو خیالات مسلمانوں کے انگریزی تعلیم یافتہ لوگوں میں رائج تھے، ان خیالات کا اظہار ہے، بعض چیزیں صحیح ہیں، اور

اسلامی نقطۂ نظر کے مطابق ہیں، بعض بعض بیانات قابل غور ہیں اور محل نظر میں ۔(۲۷)

علامہ شبلی نعمانی

سرسید کے بعد علامہ شبلی نعمانی (۱۸۵۷ء/۱۹۱۴ء) کا دور آتا ہے، اُن کی کتاب سیرت النبی ﷺ کو مقبولیت حاصل ہوئی، وہ اس کے مقامِ بلند کی دلیل تو ہے ہی ہمارے خیال میں وہ عند اللہ قبولیت کا بھی ایک اشارہ ہے، سچ تو یہ ہے کہ سیرت النبی ﷺ کے نام سے یا اس سے ملتے جلتے ناموں سے کئی کتابیں لکھی گئیں، مگر سیرت النبی ﷺ سن کر انسانی ذہن صرف علامہ شبلیؒ کی جانب ہی منتقل ہوتا ہے، لیکن ہمارا مقصد اس وقت صرف ان خصائص کا اظہار ہے جن کے سبب اس کتاب نے مطالعۂ سیرت کو وسعت بخشی، اس حوالے سے چند نکات قابلِ غور ہیں:

الف: شبلی نعمانیؒ نے سب سے مرتب انداز میں اُصولِ سیرت نگاری پر لکھا، اور اس موضوع پر قابلِ قدر کام کیا۔ اس موضوع کو اُن کے بعد مولانا عبدالرؤف دانا پوری نے اصح السیر کے مقدمے میں آگے بڑھایا۔ لیکن یہ موضوع آج بھی تشنہ ہے، اور کسی محقق، عالم کی محنت و کاوش کا منتظر ہے، اس موضوع پر چند کتب بھی لکھی گئیں، لیکن افسوس یہ ہے کہ ان کا عنوان تو سیرت نگاری ہے، لیکن ان میں اصول سیرت نگاری بیان ہی نہیں کئے گئے، دیگر مباحث پر زورِ قلم صرف کیا گیا ہے، بہر حال علامہ شبلی اس حوالے سے اولیت کا شرف رکھتے ہیں، ان سے قبل سرسید نے بھی چند نکات خطباتِ احمدیہ میں بیان کئے تھے، لیکن ان کا بیان ضمناً ہوا تھا، علیحدہ سے باقاعدہ بیان شبلی کے ہاں ہی پہلی بار ملتا ہے۔

ب: مستشرقین پر اور ان کے کام پر نقد، ان کی اقسام اور تقسیم، ان کی چیدہ چیدہ کتب کا تعارف اور مستشرقین کی ایک فہرست مرتب کرنا، یہ بھی علامہ شبلی کا امتیاز ہے، مستشرقین پر کام بعد میں بہت آگے تک پہنچا۔ جس کا ذکر ہم آگے چل کر کریں گے لیکن اس موضوع کو پہلی بار سیرت لٹریچر کا حصہ علامہ شبلی نے بنایا۔

ج: فنِ درایت سے سیرت نگاری کا کام لینے کی جو روایت سرسید نے ڈالی تھی، اسے آگے بڑھانے میں بھی علامہ شبلی کا نمایاں حصہ ہے۔

د: علامہ شبلی نے تحقیق و تدقیق کو بھی سیرت نگاری میں رائج کیا، اور روایت و درایت دونوں سے کام لے کر سیرت کے اختلافی بیانات کے مابین تطبیق پیدا کرنے اور روایاتِ سیرت میں بعض مقامات پر موجود اختلاف دور کرنے کی سعی کی۔

ان امور کے سبب سیرت النبی کو وہ مقبولیت اور قبولیتِ عامہ حاصل ہوئی کہ باید و شاید۔ آج جبکہ

اُردو میں سیرت کے موضوع پر اس قدر کتب موجود ہیں کہ ان کا شمار واستقصا بھی مشکل ہے، لیکن سیرت النبی کے مقام کو کوئی کتاب نہیں پہنچ سکی، آج صرف پاکستان میں غالباً آٹھ، نو ادارے اس کتاب کی اشاعت کررہے ہیں، اور ہر ایک کا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ لیا جارہا ہے۔

البتہ سیرت النبی پر اب بھی کام کی ضرورت ہے، اور یہ امر نہایت ضروری ہے کہ اس پر نظرِ ثانی کی جائے، اور اس کے حوالہ جات کو از سرِ نو دیکھا جائے، خصوصاً رائج معیار کے مطابق احادیث کی تخریج کی جائے۔ جو کتابت کی غلطیاں عرصے سے جوں کی توں چلی آرہی ہیں، انہیں درست کیا جائے۔ یہ کتاب کسی باہمت خادمِ سیرت کی تلاش میں ہے۔ دیکھئے کون اس ضرورت کو پورا کرتا ہے۔

مولانا سید سلیمان ندوی

علامہ شبلیؒ کے ساتھ اُن کے شاگرد رشید اور قارئین سیرت کے بڑے محسن مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ کا نام نامی یوں جڑا ہوا ہے کہ ان کے بغیر نہ تو علامہ شبلی کا تذکرہ مکمل ہوتا ہے، نہ سیرت النبی کی تکمیل ہوسکتی ہے، اور خاص ہمارے آج کے موضوع یعنی مطالعۂ سیرت کی وسعت کے حوالے سے بھی ان کا کردار بے حد نمایاں ہے، اور سرسید اور علامہ شبلی کے بعد جو وسیع اثرات علومِ سیرت پر سید صاحب نے چھوڑے ہیں، اور مطالعۂ سیرت کو جو وسعت اپنی تحریروں کے ذریعے انہی نے دی ہے، اس تک ان کے بعد آنے والے معروف ترین سیرت نگاروں میں سے کوئی بھی نہیں پہنچ سکا۔

مولانا سید سلیمان ندویؒ نے نہ صرف سیرت النبی کے موضوعات میں اضافہ کیا، بلکہ خود سیرت کا دائرہ حیات، معجزات اور شمائل سے لے کر عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق اور سیاسیات تک وسیع کردیا، مطالعۂ سیرت کی یہ وسعتیں سیرتی ادب کو سید صاحب کے ذریعے میسر آئی ہیں۔ پھر سیرت النبی کا ایک اعزاز یہ بھی ہے کہ اس نے مابعد کے سیرتی ادب پر نمایاں ترین نقوش واثرات ثبت کئے ہیں، یہ بیان قطعاً مبالغہ آمیز نہ ہوگا کہ بے شمار کتب محض سیرت النبی سامنے رکھ کر ہی لکھی گئی ہیں۔ اور بعض کتب نے اگر سیرت النبی کے ابتدائی حصوں کے بعض بیانات سے اختلاف کا اظہار بھی کیا، جس کی یقیناً گنجائش موجود تھی، تو بھی اس کتاب کے اثرات کو ایک اعتبار سے انہوں نے بہرحال تسلیم کیا ہے۔

درحقیقت سید صاحب نے علم سیرت کو جو موضوعاتی تنوع، وسعت اور معنوی گہرائی اور پھیلاؤ بخشا ہے، اس کا جواب نہیں، مگر شبلیؒ کی درّاکی کو دوسرا کوئی سیرت نگار نہیں پہنچ سکا۔ شبلی کا دوسرا نمایاں امتیاز یہ ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے اُردو سیرت نگاری وسوانح نگاری میں مختلف مآخذ سے استفادہ کرکے ایک

جامع مفہوم اُردو میں منتقل کرنے کا اسلوب رائج کیا۔ اس سے قبل اردو سیرت نگاری وسوانح نگاری میں اقتباسات کی روایت چلی آ رہی تھی، جو جدید علمی اسلوب کے اعتبار سے نہ تو اتنی مفید تھی، نہ تحقیقی پہلو سے اتنی کامیاب۔

سید سلیمان ندوی کی ایک اور کاوش مطالعۂ سیرت کے حوالے سے اختصاص و امتیاز رکھتی ہے، وہ ہے خطباتِ مدراس، مولانا ندوی کے یہ آٹھ خطبے ۱۹۲۵ء میں مدراس میں دیئے گئے۔ ان خطبات میں انہوں نے قارئینِ سیرت کو ایک نئی دنیا سے روشناس کرایا۔ اور سیرتی ادب میں پہلی بار نبیٔ اکرم ﷺ کی سیرت کے امتیازی پہلوؤں کو سائنٹیفک اسلوب میں پیش کیا۔ یہ کتاب ان غیر مسلموں کے لئے بھی بہترین تحفے کی حیثیت رکھتی ہے، جو مختلف مذاہب کا مطالعہ کر کے راہِ ہدایت تلاش کرنا چاہتے ہیں، اس میں سید صاحب نے بتایا ہے کہ کسی بھی شخصی سیرت کا کمال انبیا کے علاوہ کہیں نہیں مل سکتا، اور دائمی نمونۂ عمل صرف آنحضرت ﷺ کی سیرتِ مبارکہ ہے۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اس بات کا صرف دعویٰ نہیں کیا، بلکہ اس کے لئے دلائل بھی دیئے ہیں۔ پوری کتاب اسی بنیادی تصور کے گرد گھومتی ہے۔

اس کتاب کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ مولانا ندوی رحمتہ اللہ علیہ نے سیرتِ طیبہ کے عملی پہلو کو زیادہ اہمیت دی ہے اور پیغامِ محمدی کے زیرِ عنوان آخری خطبہ تو خاص اسی پہلو کو پیش کرتا ہے، یہ نکتہ ماقبل کے سیرت نگاروں کے ہاں ہمیں نظر نہیں آتا۔

قاضی محمد سلیمان منصور پوری

اسی دور کی ایک اور کتاب جدید سیرت نگاری کے ایک اہم سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے، وہ ہے قاضی محمد سلیمان منصور پوری (م ۱۹۳۰ء) کی رحمت اللعالمین۔ یہ کتاب تین جلدوں میں مکمل ہوئی۔ اور تحقیق و تدقیق، واقعات کی ترتیب، صحتِ روایات اور مؤلف کے وسعتِ مطالعہ کے سبب آج تک اپنا علیحدہ حلقہ رکھتی ہے، اور سیرت النبی کی بے مثال مقبولیت کے پہلو بہ پہلو اس کتاب کا یہ مقام بنانا بجائے خود اس کی اہمیت کی دلیل ہے۔

رحمت اللعالمین ﷺ جہاں ایک جانب سیرت لٹریچر میں بیش بہا اضافہ ثابت ہوئی، وہیں اس نے مطالعۂ سیرت کے موضوعات کو بھی مزید وسعت بخشی۔ قاضی سلیمان منصور پوری رحمہ اللہ نے خصوصیت کے ساتھ جن عنوانات کو سیرتی ادب میں متعارف کرایا، اُن میں سب سے پہلے تعلیماتِ نبوی شامل ہیں (۲۸) احادیث کا انتخاب اس سے قبل کسی کتاب میں نظر نہیں آتا۔ اس کے علاوہ انساب کی تفصیل، خصوصاً

خاندانِ نبوت کے نسب اور اس کی مختلف شاخوں کو بڑی وضاحت سے تحریر کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی افضلیت پر بھی بڑی محنت سے کلام فرمایا، بلکہ یہ پورا باب اور اس کے بعد رحمت اللعالمین پر بحث خاص طور پر پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔(۲۹)

پھر تیسری جلد میں خصائصِ نبوی ﷺ، خصائصِ قرآن اور خصائصِ اسلام کی ابحاث ملتی ہیں، یہ تمام موضوعات بھی سیرت کے قارئین کے سامنے پہلی بار رحمت اللعالمین کے ذریعے آئے، دوسری جلد میں بائبل کے بیانات کا اسلامی تعلیمات کے ساتھ تقابلی مطالعہ بجائے خود اہمیت کا حامل ہے۔ اس بحث نے مطالعۂ سیرت میں پہلی بار کلامی پہلو کو شامل کیا، اس طرح سیرتی ادب کا دامن مزید موضوعاتی وسعتوں سے آشنا ہوا۔

ان پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ رحمت اللعالمین ایک نمایاں کاوش تھی، جس نے سیرت کے موضوعات پر بڑے قیمتی اضافے کئے۔ ایسے اضافے جو بعد میں آنے والوں کے لئے مشعلِ راہ ثابت ہوئے۔

مفتی محمد عنایت احمد کاکوروی

یہاں پر اسی عہد کی ایک اور کتاب کا حوالہ بھی انہوں نے ناگزیر ہے، یہ ہے مولانا مفتی محمد عنایت احمد کاکوروی (۱۲۲۸ھ/ ۱۲۷۹ھ) کی تواریخ حبیب اللہ ﷺ، انہوں نے ۱۲۷۵ھ/ ۱۸۵۸ء میں اُس وقت تحریر کی تھی جب مؤلف جزائر انڈیمان میں قید تھے، اور ان کے پاس ایسی کوئی کتاب بھی موجود نہیں تھی، جس کی مدد سے وہ سیرت پر کتاب لکھ سکتے، نتیجتاً اُنہوں نے فقط اپنے حافظے کا سہارا لیا، لیکن اسی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ رہائی کے بعد کتاب کی اشاعت سے قبل اس پر نظرِ ثانی فرمائی، کتاب کے موضوعات عام کتبِ سیرت سے مختلف نہیں، لیکن اس کا درجۂ استناد ان سے بڑھایا ہوا ہے، کیونکہ اس میں اُس دور میں رائج میلادناموں کی بے اصل روایات سے قصداً اجتناب کرتے ہوئے صحیح احادیث اور اس وقت دستیاب کتبِ سیرت سے مستند واقعات درج کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔ مولانا مفتی عنایت احمد کاکوروی رحمہ اللہ ہمارے درسِ نظامی کے طلبا کے لئے اپنی کتاب علم الصیغہ کی وجہ سے متعارف شخصیت ہیں، گو اُن کی یہ کتاب اس قدر متعارف نہیں ہے۔

رحمۃ للعالمین کو ایک اور امتیاز حاصل ہے، وہ ہے عقلیت کے ساتھ ساتھ جذب و کیف کی ایک خاص فضا، جس کی روح پوری کتاب میں رواں دواں دکھائی دیتی ہے، یوں یہ کتاب ایسے خزینے کی

حیثیت رکھتی ہے جس کو جمع اور ذخیرہ کرنے والا شخص فرزانگی کے وصف کے ساتھ ساتھ روحانیت اور خودرفتگی کی دولت سے بھی مال مال ہے۔

ان چند اہم اور بنیادی کتب کے علاوہ اوران کے بعد اُردو میں بے شمار کتب لکھی گئیں، جن میں سے بعض یقیناً کسی نہ کسی حوالے سے اختصاص وامتیاز بھی رکھتی ہیں، بہت سی آج بھی متعارف ہیں، اوران کتب کی ایک بڑی تعداد اپنا وقت پورا کر لینے کے بعد گوشۂ گم نامی میں چلی گئیں۔

اُردوسیرت نگاری کے تین ادوار

ہماری دانست میں اُردو سیرت نگاری کے تین واضح ادوار ہیں۔

پہلا میلا دناموں کا دور، جس کا اختتام سرسید پر ہوتا ہے۔

اردوسیرت نگاری کا دوسرا دور سرسید سے شروع ہوتا ہے۔

اور قیامِ پاکستان کے بعد تیسرے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ اس دور کی بہت سی خوبیاں ہیں۔ لیکن آج کے موضوع کے حوالے سے دو باتیں اہم ہیں، ایک تو اس دور میں پہلے دونوں ادوار کے برعکس رسولِ اکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ اور سیرتِ طیبہ کے مختلف پہلوؤں پر علیحدہ علیحدہ غور وفکر کا رجحان قائم ہوا۔ جس کے نتیجے میں مختلف پہلوؤں پر علیحدہ علیحدہ کتب اور وقیع معاملات سیرت کے ادب میں شامل ہوئے۔

مثال کے طور پر، آپ ﷺ بہ حیثیت سپہ سالار، بحیثیت مقنن، بحیثیت شوہر، اور آپ ﷺ کی خانگی و عائلی زندگی، آپ کے مکتوبات، خطبات، مکالمات، آپ ﷺ کے سفر اور سفارتی تعلقات، آپ کی سیاسی زندگی، معاشی پہلو، معاشرتی اور سماجی پہلو، آپ کے قضایا اور فیصلے، آپ بحیثیت ماہرِ نفسیات اور آپ کی فصاحت و بلاغت، آپ کی خطابت، تعلیم وتربیت کے سلسلے میں آپ ﷺ کی ہدایات، اخلاقِ نبوی، وغیرہ۔ غزوات و سرایا کا مختلف حوالوں سے مطالعہ، مثلاً پاک و ہند کے معروف محقق سیرت ڈاکٹر یٰسین مظہر صدیقی نے غزوات میں ہونے والے اخراجات اور مالِ غنیمت کی شکل میں آمد کا جائزہ لیا ہے۔ یا پروفیسر ظفر احمد صاحب نے سیرتِ طیبہ ﷺ کے تمام واقعات کی تاریخوں میں پائے جانے والے اختلافات کو توقیتی تضادات کے زیرِ عنوان دور کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے، ہمارے خیال میں یہ جدید دور کی سیرت نگاری میں دقیع اضافہ اور عصرِ حاضر کے علمی کارناموں میں سرِ فہرست رہنے والا کام ہے۔ ان کا طویل مقالہ جو کتابی شکل میں بارہ پندرہ سو صفحات سے کم نہیں ہوگا، شش ماہی السیرہ عالمی کے صفحات میں قسط وار شائع ہو رہا ہے۔

یہ تمام موضوعات مطالعۂ سیرت کی بے پناہ وسعتوں کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔

ہماری گفتگو حد درجہ نامکمل رہے گی اگر ہم ڈاکٹر حمید اللہ رحمتہ اللہ علیہ کا تذکرہ نہ کریں، ڈاکٹر صاحب کی بے نفسی، علم دوستی، سادگی اور ایثار جیسی دیگر اہم خصوصیات اپنی جگہ، لیکن صرف سیرت میں انہوں نے جو وقیع اضافے کئے وہ بجائے خود ان کے نام کو زندہ رکھنے کے لئے کافی ہیں، اور بجا طور پر ہمارے عہد کے ایک اور محقق اور عالم جناب ڈاکٹر محمود احمد غازی نے انہیں اس صدی کے مجددِ علمِ سیرت قرار دیا ہے۔(۳۰)

ڈاکٹر حمید اللہؒ کا امتیاز یہ ہے کہ آپ نے نہ صرف سیرت سے متعلق بعض نادر و نایاب معلومات فراہم کیں، بہت سے عقدے حل کئے، اور بہت سی کتب سے ہم جیسے طالب علموں کو متعارف کرایا، بلکہ انہوں نے خاص طور پر مطالعۂ سیرت میں قانون بین الممالک جیسے موضوع کا اضافہ کیا، اور جدید ترین اسلوب میں بحث کرتے ہوئے اپنی متعدد کتب میں اسلامی قانون اور نبیٔ اکرم ﷺ کے پیش کردہ اصول و ضوابط کو ہر اعتبار سے بالاتر ثابت کیا (۳۱) قانون بین الممالک کے حوالے سے ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب کا کام بھی اہم ہے۔ انہوں نے آج سے کوئی آٹھ، نو برس قبل اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور میں بارہ خطبات دیئے تھے، جو بعد میں خطبات بہاولپور جلد دوم کے نام سے شائع ہوئے۔(۳۲)

مطالعۂ سیرت اور مستشرقین

مطالعۂ سیرت کی وسعتوں پر گفتگو کرتے ہوئے مستشرقین اور ان کے حوالے سے منظرِ عام پر آنے والے لٹریچر کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ مستشرقین کی اصطلاح اُن اہلِ مغرب کے لئے استعمال ہوتی ہے، جو شرقی علوم و فنون میں دلچسپی رکھتے ہیں، لیکن سیرت کے حوالے سے جب بات ہوتی ہے تو صرف وہ مغربی محققین مراد ہوتے ہیں جنہوں نے سیرت اور نبیٔ اکرم ﷺ کے حوالے سے اپنی تحریریں پیش کی ہیں۔

سیرت طیبہ کے حوالے سے کام کرنے والے مستشرقین درحقیقت مختلف اقسام میں تقسیم کئے جا سکتے ہیں۔ بعض تو اول و آخر عیسائی بلکہ پادری ہیں، ان کا مقصد تو واحد ہے اسلام اور پیغمبرِ اسلام کو نشانۂ تنقید بنانا، ایک گروہ وہ ہے جو عقائد کے اعتبار سے لادین ہے، وہ کسی کا بھی قائل نہیں، وہ دوسرے مذاہب پر بھی اعتراض کرتا ہے، اور اسلام پر بھی تنقید اس کے ہاں ملتی ہے، کسی کے ہاں کم، کسی کے ہاں زیادہ۔ تیسرا گروہ ہے، جس نے واقعتاً علمی دلچسپی کے سبب مذاہبِ عالم کا مطالعہ کیا ہے، اس گروہ کا اندازِ فکر یہ ہے کہ یہ اپنے طور پر بات کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے، جو بات سمجھ میں آ جاتی ہے، اس کی تعریف کرتا ہے، جو اس کے

فہم تک نہ پہنچے، اُس پر تنقید کرتا ہے، اور پھر اگر قسمت یاوری کرے اور توفیقِ الٰہی ساتھ دے تو اسلام قبول کرنے کی بھی مثالیں ملتی ہیں۔

مستشرقین کے حوالے سے تحریروں کا آغاز بھی سرسید کی خطباتِ احمدیہ سے ہوتا ہے، جو ولیم مور کے جواب میں لکھی گئی جیسا کہ پہلے ہم ذکر کر چکے ہیں، پھر علامہ شبلی نے اس پر کام کیا، جو سیرت النبی کا حصہ ہے۔ ان کے بعد اُردو زبان میں پروفیسر احسان الحق کا کام سامنے آیا، اسی طرح ۱۹۸۲ء میں دارالمصنفین اعظم گڑھ انڈیا میں مستشرقین کے موضوع پر ایک بین الاقوامی سیمینار منعقد ہوا تھا، اس کے مقالات اور کارروائی اس موضوع پر بعض دیگر مقالات کے ساتھ چھ جلدوں میں شائع ہوئی، جن کی ترتیب وتدوین کا فریضہ سید صباح الدین عبدالرحمٰن نے انجام دیا۔

اسی طرح اَسّی کی دہائی کے اوائل میں ماہانہ نقوش نے ضخیم رسول نمبر تیرہ جلدوں میں شائع کیا، اس میں دیگر بہت سے اہم موضوعات کے علاوہ مستشرقین پر جناب ڈاکٹر نثار احمد کے دو اہم طویل مضامین شامل تھے۔ کچھ عرصے بعد جامعہ کراچی سے جناب ڈاکٹر عبدالقادر جیلانی نے اسلام، پیغمبرِ اسلام ﷺ اور مستشرقینِ مغرب کا اندازِ فکر، کے زیرِ عنوان پی ایچ ڈی کے لئے مقالہ پیش کیا، یہ مقالہ لاہور سے حال ہی میں چھپ کر منظرِ عام پر آچکا ہے۔ (۳۳) اسی طرح پیر کرم شاہ الازہری نے سیرت پر ضیاالنبی کے نام سے مفصل کام کیا ہے، جو سات جلدوں پر مشتمل ہے، اس کی دو جلدیں مستشرقین کے حوالے سے ہیں۔ مطالعۂ سیرت کا یہ ایک وقیع پہلو ہے، جس کے تحت غیر مسلم مفکرین کے خیالات کا جائزہ لے کر ان پر نقد کیا گیا ہے۔

سیرت کمیٹی

برعظیم پاک و ہند میں خدمت سیرت اور سیرت طیبہ کی موضوعی وسعت کے حوالے سے ایک نسبتاً کم معروف شخصیت کا حوالہ بھی بے حد اہم ہے، جس نے اپنے دور میں ایک ادارے کا کام کیا اور سیرت اور مطالعۂ سیرت کے فروغ اور اس کی وسعتوں میں اضافے کے لئے بے مثال محنت کی۔ میری مراد عبدالمجید قرشی بانی وصدر سیرت کمیٹی لاہور سے ہے، عبدالمجید قرشی نے ۱۹۳۶ء کے لگ بھگ سیرت کمیٹی قائم کی، اور پورے متحدہ ہندوستان میں سیرت کے زیرِ عنوان اجتماعات کا سلسلہ قائم کر دیا۔ سیرت کمیٹی کے تحت سالانہ اجتماعات بھی منعقد ہوتے تھے، لیکن ان کے علاوہ وقتاً فوقتاً مختلف شہروں میں سیرت کے جلسے منعقد ہوتے رہتے تھے، ان اجتماعات نے کئی جدتیں پیدا کیں، ان میں پہلی بار روایتی علما کے ساتھ ساتھ جدید

عصری درس گاہوں کے اساتذہ اور پروفیسرز کو بھی بحیثیت مقرر مدعو کیا جانے لگا، اس طرح یہ طبقہ بھی فعال ہوا، اور یوں مطالعۂ سیرت نے محدود دائرے سے نکل کر وسعت اختیار کی، اُن کی آمد کی وجہ سے سیرت نگاری کا اس عہد میں مروج اسلوب تبدیل ہوا اور مطالعۂ سیرت کو موضوعاتی وسعت ملی، جس کے نتیجے میں نئے موضوعات سامنے آئے۔

اس سیرت کمیٹی نے سب سے پہلے مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ کی معروف کتاب النبی الخاتم کتابی شکل میں شائع کی۔ اس کمیٹی کے ذریعے بہت سے نئے مقرر اور نئے قلم کار سامنے آئے، یہ کمیٹی ایک ہفتے وار رسالہ ایمان بھی نکالتی تھی، جو دور دراز علاقوں میں بھی ٹھیک جمعرات کے روز پہنچ جاتا تھا، اس رسالے کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ اس میں تواتر سے غیر مسلم خصوصاً ہندو شعرا کی نعتیں شائع ہوتی تھیں۔ عبدالمجید قرشی ۴۷ء کے فسادات میں شہید ہوئے۔ اور محسوس یہ ہوتا ہے کہ ان کے ساتھ ہی خدمتِ سیرت کا یہ عظیم باب بھی بند ہو گیا۔

سیرت کانفرنس

اس موضوع پر اپنی گفتگو کا اختتام میں وزارتِ مذہبی اُمور کے تحت منعقد ہونے والی سالانہ سیرت کانفرنس کے تذکرے پر کرنا چاہتا ہوں، سیرت کانفرنسوں کا آغاز وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے کیا تھا اور اسے باقاعدہ ایک تحریک کی شکل صدر جنرل ضیاء الحق نے دی۔ ان کانفرنسوں نے بھی مطالعۂ سیرت کو فروغ دینے، پیغامِ سیرت کو پھیلانے اور موضوعاتِ سیرت کو وسعت دینے میں اہم کردار ادا کیا۔ جس کا اندازہ ان بعض موضوعات سے کا جا سکتا ہے، جن پر یہ کانفرنسیں اب تک منعقد ہو چکی ہیں، چند موضوعات یہ ہیں:

۱۔ سیرتِ مصطفیٰ میں عصرِ حاضر کے لئے پیغام (جنوری ۱۹۸۱ء)
۲۔ حضورِ اکرم ﷺ بحیثیت معلم اخلاق (جنوری ۱۹۸۲ء)
۳۔ حضورِ اکرم ﷺ بحیثیت مظہرِ تکمیلِ نبوت ورسالت (دسمبر ۱۹۸۲ء)
۴۔ حضورِ اکرم ﷺ بحیثیت دہندہ نظامِ معیشت (دسمبر ۱۹۸۳ء)
۵۔ حضورِ اکرم ﷺ کا نظامِ عدل (دسمبر ۱۹۸۴ء)
۶۔ پیغمبرِ اسلام ﷺ کے پیغام کی آفاقیت (۱۹۸۵ء)
۷۔ دعائے ابراہیمی کی روشنی میں سیرتِ نبوی ﷺ کا تجزیہ (نومبر ۱۹۸۶ء)

۸۔حضور ﷺ کا اصلاحِ معاشرہ (اکتوبر ۱۹۸۷ء)

۹۔اسلام کا نظامِ عدل و احسان (اکتوبر ۱۹۸۸ء)

۱۰۔داعیٔ امن و اُخوت (۱۹۸۹ء)

۱۱۔انسانی حقوق اور تعلیماتِ نبوی ﷺ (۱۹۹۱ء)

۱۲۔اسلامی فلاحی ریاست کا تصور اور اس کے تقاضے (۱۹۹۱ء)

۱۳۔حضورِ اکرم ﷺ کی رفاہی منصوبہ بندی (۱۹۹۴ء)

۱۴۔اسلامی معاشی اقدار کے فروغ کا عملی طریقۂ کار (۱۹۹۴ء)

۱۵۔انسدادِ منشیات اور اس کے تقاضے۔ (۱۹۹۴ء)

۱۶۔تعمیرِ شخصیت و فلاحِ انسانیت (۱۹۹۶ء)

۱۷۔استحکامِ پاکستان تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں (۱۹۹۷ء)

۱۸۔تحریکِ پاکستان کے فکری محرکات اور تعلیماتِ نبوی ﷺ (۹۷ء)

۱۹۔عدم برداشت کے قومی اور بین الاقوامی رجحانات اور تعلیمات نبوی ﷺ (۹۹ء)

۲۰۔بے لاگ احتساب، سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں (۲۰۰۰ء)

۲۱۔اسلامی نظمِ معیشت اور کفالتِ عامہ میں زکوٰۃ کی اہمیت (۲۰۰۱ء)

۲۲۔معاشرتی و معاشی ارتقا میں زکوٰۃ و عشر کا کردار (۲۰۰۱ء)

۲۳۔مثالی نظامِ تعلیم کی تشکیل سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں (۲۰۰۳ء)

۲۴۔نیا عالمی نظام اور اُمتِ مسلمہ کی ذمے داریاں تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں (۲۰۰۳ء)

۲۵۔عصر حاضر میں مذہبی انتہاپسندی کا رجحان اور اس کا خاتمہ تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں (۲۰۰۴ء)

۲۶۔عصر حاضر کے تقاضے اور ایک روشن خیال، اعتدال پسند اسلامی معاشرے کی تشکیل و ضرورت تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں (۲۰۰۵ء)

۲۸۔دورِ جدید میں بین المذاہب عالمی اتحاد، یگانگت و ہم آہنگی کا تصور اور اس کی حقیقت تعلیماتِ اسلام اور اسوۂ رسول ﷺ کی روشنی میں۔ (۲۰۰۶ء)

ان موضوعات کو دیکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ مطالعۂ سیرت کی وسعتوں میں ان کانفرنسوں کے عنوانات نے یقیناً اضافہ کیا، اور ان کی وجہ سے سیرتی ادب میں ایک نیا عنصر پیدا ہوا، وہ تھا جدید مسائل کو

سیرتِ طیبہ اور تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں دیکھنے اور ان کا حل تلاش کرنے کا رجحان۔

اس کے ساتھ ساتھ سیرت نگاری کے اس تیسرے دور میں ایک اور پہلو بھی سامنے آیا۔ وہ یہ کہ کتب سیرت میں حوالہ جات بالالتزام دینے کا رجحان بھی پیدا ہوا، اور حوالہ جات کے اندراج کے مسلمہ معیار کی بھی پیروی کی جانے لگی، اس کے نتیجے میں جہاں مطالعہ و استفادہ کرنا سہل ہوا، وہیں اس میں غلو کے نتیجے میں خرابیاں بھی پیدا ہوئیں، اور بعض حلقوں نے یہ فرض کرلیا کہ حوالہ جات ہی سب کچھ ہیں، نتیجتاً حوالوں کی بھرمار میں متن تلاش کرنا اور مفہوم اخذ کرنا بھی دشوار ہوتا گیا، یہ صورتِ حال آج بھی قائم ہے۔ حوالوں کی اپنی اہمیت ہے، لیکن انہیں متن پر حاوی نہیں ہونا چاہئے، نہ یہ حوالہ جاتی مشق کسی خارجی سبب سے ہونی چاہئے۔ اس رجحان کے نتیجے میں سرقہ بازی بھی شروع ہوئی اور بلاحوالہ بلکہ اصل حوالوں کے ساتھ دوسروں کو کاپی کرلینے کا رجحان بھی سامنے آیا ہے، اور اس سلسلۂ فاسدہ کے نتیجے میں بہت سی کتب سامنے آچکی ہیں۔ خیر یہ ایک ضمنی بات تھی۔

محاضراتِ سیرت

سیرتی ادب میں برعظیم پاک و ہند میں تنوع کا ایک اہم مظہر سیرت کے محاضرات، خطبات یا لیکچرز کی شکل میں سامنے آیا ہے، اس سلسلے کے سب سے پہلے اور ابتدائی خطبات اغلباً علامہ سید سلیمان ندویؒ کے خطباتِ مدراس تھے، جن کا تعارف اوپر کی سطور میں آچکا ہے۔

غالباً اسی عہد میں یا اس سے قبل معروف سیرت نگار علامہ محمد سلیمان منصور پوری کے چار خطبات بھی سیرت کے حوالے سے سامنے آئے، یہ سید البشر کے نام سے شائع ہوئے، یہ مختصر کتاب جو ۱۱۱ صفحات پر مشتمل ہے، اب طارق اکیڈمی، فیصل آباد سے اچھے انداز میں شائع ہوئی ہے۔

ان خطبات کے عنوانات یہ ہیں:

۱۔ پیغمبر اسلام ۲۔ ربیع القلوب فی سیرت المحبوب

۳۔ رسول اللہ ﷺ کے اخلاق ۴۔ سراج منیر

ان کے بعد مولانا عبد الماجد دریابادی کے خطبات ہیں جو جنوری ۱۹۵۷ء میں مدارس میں دیئے گئے تھے اور بعد میں سیرت نبوی قرآنی کے نام سے شائع ہوئے اور اس کے بعد مسلسل شائع ہورہے ہیں، سیرت طیبہ کو قرآن حکیم کی روشنی میں جاننے اور سمجھنے کی یہ پہلی اور اب تک کی سب سے وقیع کوشش قرار دی جاسکتی ہے، یہ سات خطبات تھے، جن کے عنوان یہ ہیں:

۱۔ظہور کی پیش بندیاں، ۲۔نام، نسب، وطن، زمانہ

۳۔فضائل، خصائل، مشاغل ۴۔رسالت وبشریت

۵۔ہجرت ۶۔غزوات ومحاربات ۷۔معاصرین

سیرت طیبہ پر چند مختصر خطبات ڈاکٹر حمید اللہ کے بھی موجود ہیں، جو خطبات بہاولپور کے علاوہ ہیں، یہ خطبات حیدر آباد دکن میں دیئے گئے تھے۔ کافی عرصے کے بعد ان خطبات کا نیا ایڈیشن کتب خانۂ سیرت کراچی کے زیر اہتمام سامنے آیا ہے۔

دو برس قبل جامعہ اشرفیہ لاہور میں علامہ سید سلیمان ندوی کے صاحبزادے اور ڈربن یونیورسٹی ساؤتھ افریقہ کے سابق پروفیسر ڈاکٹر سید سلمان ندوی کے آٹھ خطبات ہوئے، جو خطبات سیرت کے عنوان سے چھپ چکے ہیں۔ ان کے عنوانات یہ ہیں:

۱۔اسلام سے قبل عرب کے مذہبی، سماجی اور سیاسی پس منظر کا تجزیہ

۲۔پہلی وحی اور اس کے اثرات

۳۔قریش کی طرف سے شدید مزاحمت کی وجوہات

۴۔معراج کی حقیقت واہمیت اور نتائج مجالس عقبہ

۵۔ہجرت مدینہ تاریخ اسلام کا نقطہ انقلاب

۶۔میثاق مدینہ کی ضرورت اور اس کی اہمیت

۷۔نمایاں غزوات، بدر، احد اور خندق اور ان کے اسباب اور دوررس نتائج

۸۔صلح حدیبیہ، ایک کھلی کامیابی۔

حال ہی میں ایک اور وقیع کام ڈاکٹر یٰسین مظہر صدیقی کے خطبات کی شکل میں سامنے آیا ہے۔ یہ آٹھ خطبات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صرف عہد مکی سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور یہ مکی اسوۂ نبوی کے نام انڈیا سے شائع ہو چکے ہیں۔

ان کے علاوہ دو کتابیں اس سلسلے میں اور ہمارے سامنے آتی ہیں۔ ایک مولانا سید سلیمان حسنی ندوی کے خطبات سیرت ہیں، یہ تین خطبے بنگلور میں دیئے گئے تھے۔ یہ کام اگرچہ ضخیم ہے، مگر بیانیہ نوعیت کا ہے، جس میں پوری سیرت طیبہ کو مرحلہ وار بیان کیا گیا ہے، یہ کتاب ۴۱۲ صفحات پر مشتمل ہے، اور زمزم پبلشرز کراچی سے شائع ہوئی ہے۔

دوسری کتاب تقاریر سیرت ہے، یہ مولانا مجاہد الاسلام قاسمی کی چند عوامی تقریروں کا مجموعہ ہے، جس

کے صفحات ۱۶۰ ہیں۔ ۲۰۰۲ء میں یہ کتاب ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی سے شائع ہوئی ہے۔

سلسلۂ محاضراتِ سیرت کی ایک اہم اور حالیہ کڑی جناب ڈاکٹر محمود احمد غازی کے محاضراتِ سیرت ہیں، جو اُنہوں نے ۲۴ جولائی سے ۵ اگست ۲۰۰۶ء تک اسلام آباد میں ادارہ تحقیقات اسلامی کے زیر اہتمام دیئے۔ اُن کے عنوانات درج ذیل ہیں:

مطالعۂ سیرت کی ضرورت و اہمیت

سیرت اور علومِ سیرت: ایک تعارف

چند نامور سیرت نگار اور اہم کتبِ سیرت: ایک جائزہ۔

علمِ سیرت: آغاز، تدوین، ارتقا، توسیع

سیرت نگاری کے مناہج و اسالیب

ریاستِ مدینہ: دستور اور نظامِ حکومت

ریاستِ مدینہ: معاشرت اور معیشت

کلامیاتِ سیرت

فقہیاتِ سیرت

مطالعۂ سیرت، پاک و ہند میں

مطالعۂ سیرت، دورِ جدید میں

مطالعۂ سیرت، مستقبل کی ممکنہ جہتیں

حقیقت یہ ہے کہ فن سیرت اور علوم سیرت کے حوالے سے یہ محاضرات خاص انفرادیت کے حامل ہیں۔ خصوصاً فقہیاتِ سیرت اور کلامیاتِ سیرت پر فاضل مقرر کی گفتگو مجتہدانہ بصیرت کی عکاس ہے۔

خلاصہ

خلاصۂ گفتگو یہ ہے کہ اُردو سیرت نگاری آج ایک طویل فاصلہ طے کر کے ایک اہم مقام پر کھڑی ہوئی ہے، اس نے اپنے تیسرے دور میں بہت سے اہم سنگِ میل عبور کر لئے ہیں، بہت سے اہداف حاصل کر لئے ہیں، البتہ کام کی راہیں آج بھی روشن ہیں، رجالِ کار کے سامنے آج بھی میدانِ عمل واضح ہے، کیونکہ سیرتِ طیبہ کی وسعتوں کو محدود کیا ہی نہیں جا سکتا، زندگی کا ہر گوشہ نبیٔ رحمت ﷺ کے اُسوۂ حسنہ کی ضیا پاشیوں سے روشن اور سیرتِ مبارکہ سے منور ہے۔ جب تک نئے نئے مسائل سامنے آتے رہیں

گے، سیرتِ طیبہ ہماری راہنمائی کرتی رہے گی، اور خوش قسمت حضرات بقدرِ ظرف اپنا دامن بھرتے رہیں گے۔ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین.

حوالہ جات

۱۔ عبدالحفیظ بلیاوی/ مصباح اللغات/ ص ۴۱۰۔ اُردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، لاہور، ۱۹۸۰ء/ ج ۱۴، ص ۴۷۔ ابن منظور/ لسان العرب/ نشر ادب الحوزہ، قم ایران/ ج ۴، ص ۳۸۹

۲۔ فتح القدیر/ ج ۴، ص ۲۷۷

۳۔ ابن حجر العسقلانی (م ۸۵۲ھ)/ فتح الباری/ بیروت، دار المعرفہ: ج ۷، ص ۲۷۹

۴۔ ص ۷

۵۔ ڈاکٹر سید عبداللہ/ فنِ سیرت نگاری پر ایک نظر/ فکر و نظر، اسلام آباد: اپریل ۱۹۷۶ء

۶۔ ایضاً

۷۔ طٰہٰ: ۲۱

۸۔ احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ)/ المسند/ موسسۃ قرطبہ، مصر: ج ۱، ص ۱۲۸، رقم ۱۰۵۵

۹۔ قاضی اطہر مبارک پوری/ آثار و اخبار: ج ۱، ص ۵۰

۱۰۔ العسقلانی، ابن حجر/ تہذیب التہذیب/ بیروت، دار الفکر ۱۹۸۴ء: ج ۱۰، ص ۳۲۲

۱۱۔ ذہبی، محمد بن احمد، ابوعبداللہ (م ۷۴۸ھ)/ سیر اعلام النبلاء، بیروت، موسسۃ الرسالۃ ۱۴۱۳ھ/ ج ۷، ص ۴۳۷۔

☆ یوسف بن زکی عبدالرحمٰن ابوالحجاج المزی (م ۷۴۲ھ)/ تہذیب الکمال/ بیروت، موسسۃ الرسالہ ۱۹۸۰ء: ج ۲۹، ص ۳۲۶۔

☆ الجرح والتعدیل: ج ۱۰، ص ۳۶۱

۱۲۔ بغدادی، احمد بن علی ابوبکر الخطیب (م ۴۶۳ھ)/ تاریخ البغداد/ بیروت، دار الکتب العلمیہ: ج ۱۳، ص ۴۲۷

۱۳۔ قاضی اطہر مبارک پوری/ تدوین سیر و مغازی/ کتاب سرائے۔ لاہور: ص ۳۷

۱۴۔ محمد بن سعد/ الطبقات الکبریٰ/ بیروت، دار المعرفہ: ج ۲، ص ۳۶۸

۱۵۔ برہان الدین حلبی/ سیرت حلبی/ بیروت، دار المعارفہ: ج ۱، ص ۱

۱۶۔ الطبقات/ ج ۲۸، ص ۳۶۰

۱۷۔ تدوینِ سیر و مغازی: ص ۳۷، ۸۰

۱۸۔ تدوینِ سیر و مغازی: ص ۷۹

۱۹۔ تہذیب التہذیب/ ج ۷، ص ۲۶۶

۲۰۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی/ محاضرات سیرت/ الفیصل۔ لاہور ۲۰۰۷ء: ص ۶۳۰

۲۱۔ عینی، بدر الدین محمود بن احمد/ عمدۃ القاری، شرح بخاری/ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ: ج ۲۰، ص ۶۹، ۷۰

۲۲۔ الذھبی، شمس الدین محمد بن احمد الکاشف/ مؤسسۃ علوم القرآن جدہ، ۱۴۱۳ھ: ج ۹، ص ۴۵۵

۲۳۔ ایضاً: ص ۴۶۹

۲۴۔ ڈاکٹر انور محمود خالد/ اُردو نثر میں سیرتِ رسولؐ: ص ۲۴۴

۲۵۔ ایضاً: ص ۲۷

۲۶۔ شاہ احمد سعید دہلوی/ سعید البیان فی سید الانس والجان/ خواجہ پرنٹرز، کراچی: ص ۵

۲۷۔ محاضرات سیرت: ص ۶۳۴

۲۸۔ ملاحظہ کیجئے: رحمۃ للعالمین جلد ا

۲۹۔ ملاحظہ کیجئے: رحمۃ للعالمین جلد ۲

۳۰۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی/ ڈاکٹر حمید اللہؒ کی سیرت نگاری، ایک جائزہ/ ششماہی السیرہ عالمی: شمارہ ۱۰ اص ۳۲۵

۳۱۔ ڈاکٹر حمید اللہ کی خدمات کے حوالے سے ماہنامہ دعوۃ، دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد کے ڈاکٹر حمید اللہ نمبر اور السیرۃ کے شمارہ ۱۰ میں ڈاکٹر محمود احمد غازی کے مضامین اور سہ ماہی فکر و نظر، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد کے ڈاکٹر حمید اللہ نمبر کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

۳۲۔ اس کتاب کا نیا ایڈیشن اب شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد سے قانون بین الممالک کے نام سے حال ہی میں شائع ہوا ہے۔

۳۳۔ ناشر بیت الحکمت، لاہور۔ تقسیم کار کتاب سرائے اردو بازار، لاہور

سیرت ایوارڈ یافتہ

درس سیرت

سید عزیز الرحمٰن

مقدمہ: مولانا زاہد الراشدی پیش لفظ: ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری

تعارف: ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی

صفحات: ۲۷۲ قیمت: ۱۴۰ روپے

زوار اکیڈمی پبلی کیشنز